شاعرِ حق شانہ: شمس رمزی

ڈاکٹر راشد عزیز

شعبۂ اردو، سینٹرل یونیورسٹی کشمیر، پوہرو چوک، بائی پاس، سری نگر (جموں کشمیر) موبائل: 8803766036

شمس رمزی دبستان دہلی کے داغ اسکول کے موجودہ اساتذۂ شاعری میں نمایاں اورانفرادی شناخت رکھتے ہیں۔ انھوں نے گزشتہ چالیس سے زائد برسوں میں اردو دنیا میں مجموعہ ہائے شاعری غبارِ شمس، 'فلک چھونے کی آرزو' کے علاوہ تنقیدی مضامین کے مجموعے 'آئینہ در آئینہ' اورانصاری شعرا کے تذکروں کا بھی اضافہ کیا ہے۔ موجودہ شعری منظرنامے میں جہاں وہ اپنی انا پسند طرزِ فکر کے رویے کے لیے پہچانے جاتے رہے وہیں اردو کے شعرا ان کو ایک ماہر عروض کے طور پر بھی تسلیم کرتے رہے۔ ان کے تنقیدی مضامین ان کی فن شاعری کی علمی بصیرت، قلندرانہ شان اور تیز مزاجی کے شاہد ہیں۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ پہلے پورے ملک میں وسعت اختیار کرتا رہا اور پھر بیرون ملک کی مثالیں بھی سامنے آتی رہیں۔ استادی شاگردی کی اس گہما گہمی نے جہاں انھیں عجلت پسندی کی طرف راغب کیا وہیں وہ کئی پرچوں اوراخباروں کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی ادا کرتے رہے۔ اردو شاعری کے لیے یہ بات خوش آئند ہے کہ شمس رمزی جیسے ذہین اورفنی باریکیوں پر نظر رکھنے والے فنکار نے مجموعی اورفطری طور پر صرف شاعر ہونے کا دم بھرا اوراردو شاعری کی دنیا کے اساتذہ سے اپنے شعری کمالات دکھانے کے جوہروں کا لوہا منوایا۔ وہ تاعمر حق گوئی اور بیباکی کے لیے وقف رہے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف اردو زبان وادب کی آبیاری اوراردو ہندی شاعروں کی رہنمائی تھا۔

دراصل شمس رمزی کا تعلق مشترکہ تہذیب اوررنگارنگ موسموں کے گہوارے شمالی ہند میں دریائے گنگا اوررام گنگا کے اُس دوآبے سے تھا جو معیاری اردو زبان کے لیے معروف اورمخصوص ہے۔ ان کا تولد اردو شاعری کے بہت بڑے استاد یکتائے زمانہ ابراحسنی گنوری کے کنبے میں ہوا جن کے تلامذہ کی تعداد ساڑھے تین ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے اورجن کا شجرۂ شاعری فتح الملک نواب مرزا داغ سے جاملتا ہے۔ شمس رمزی نے زانوئے تلمذ ماہر عروض ولسان علامہ رمز آفاقی کے سامنے تہہ کیے اور ابراحسنی ورمز آفاقی کی روایات کو آگے بڑھایا۔ تقریباً چالیس برس دہلی میں اقامت پذیر رہے اوراردو زبان وادب کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ دہلی کی مصلحت اندیش زندگی سے کوسوں دور رہ کر فنکار اور فنکاری کی انا کے حصار میں شبانہ روز کا سفر نہایت میانہ روی سے طے کرتے رہے اوراپنی قلندری وسرمستی میں خوش رہے۔ نہ دن کی فکر کی اور نہ رات کی پروا.....اور کیوں کرتے جب ان کی رگِ احساس سے ایسے اشعار کی تخلیق عمل میں آتی رہی جن سے انھیں اُن کی حیثیت کا اندازہ بخوبی ہوتا رہا اور ان پر اشرف المخلوقیت کے اسرار منکشف ہوتے رہے۔ مثلاً:

جیسے اک تحریر ہو آبِ رواں کے دوش پر
اور کیا اس کے سوا مجھ بے نوا کی حیثیت

شمس رمزی کے شعری سرمایے میں زندگی کے مختلف شعبہ جات کی ترجمانی پائی جاتی ہے۔ یہ شاعر کی قادرالکلامی اورشعری رموز پر شاعر کی دسترس کا کمال ہے، لیکن فنکار کی حقیقی زندگی بھی پس تخلیق سائے کی طرح سفر کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے شمس رمزی نے اپنی حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود نسل آدم کے خاص طبقے کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ اگر اس شعر میں مسجد، اخلاص، مولا، پشیمانی، داغ اور نگینہ کے مفاہیم ومطالب کو تاریخی پس منظروں میں تلاش کیا جائے تو مجموعی طور پر منتشر معاشرے کے لیے عظیم اصلاحی پیغام کے اشارے بھی نظر آئیں گے۔ اتنا بلیغ اشارہ کرنے والا شاعر جب ایک دوسرے شعر میں عاجزی اور قلندر مزاجی سے انا کی منزلیں چڑھتا ہے تو پہلا مصرعہ سنتے اور پڑھتے ہی اس کا ہنر معلوم کر لینے اوراس کے گر کا پتہ لگانے یا لگ جانے کی للک پیدا ہوتی ہے۔ جسے شاعر دوسرے مصرعے میں زمانے کے حاسدوں سے ٹکرا کر مجروح کر دیتا ہے۔ دونوں مثالیں اس طرح ہیں:

مسجدوں میں اخلاص اگر ہو، مرا مولا
پیشانی کا کالا داغ نگینہ کردے

عاجزی سے انا کی منزلیں چڑھتا گیا
اور زمانہ میری ہستی سے حسد کرتا رہا

حق شناہٗ کے ظرف کی قلندرانہ شان کے ساتھ انا کی منزلیں چڑھتے ہی شمس رمزی کی فکری نظر پل صراط سے آگے اس مقام انا کی مسند پر جلوہ فگن ہوجاتی ہے، جہاں سے اُسے آفتاب بھی ذرہ کی مانند دکھائی دینے لگتا ہے۔ اگر یہاں شاعر شمس سے مراد ہے تو مصرعۂ ثانی میں آفتاب کہہ کر خسارے کا ثبوت ملتا ہے اور اگر اس نے اپنی ذات کی نفی کی ہے تو پھر انا چہ معنی...اور یوں بھی علم نجوم میں شمس ''چوتھے آسمان'' کا مالک ہے اور اس کی فطرت ہے کہ تین ذیلی اور تین بالائی آسمانوں کو روشنی بخشے۔ ایسی صورتوں میں ہم اور مقامِ انا اور آفتاب اور ذرّہ میں ہم رشتگی کے مقام پر تضاد کا ماحول تیار ہوجاتا ہے۔ اس سب کے علاوہ اگر ذرہ کو انسان مان لیا جائے اور آفتاب کو شاعر تو پھر اس کی انانیت وعظمت زوال کا شکار ہوجاتی ہے۔ اگر انا کو شاعر کا علم اور مرتبہ مانا جائے تو تکبر دخیل ہوجاتا ہے اور شاعر کو برسرِ پیکار کردیتا ہے۔ جیسا کہ دوسرا شعر ظاہر کررہا ہے۔ یہاں غالب گمان یہ ہے کہ شاعر کا خیال مذکورہ زاویوں کی جانب راغب ہی نہیں ہوا۔ وہ تو صرف اردو شاعری کے لیے خود کو وقف کردینے کی سرشاری میں وصفِ انسانی کی بلند ترین اقدار کا آئینہ دیکھتا اور دکھاتا ہے۔ اشعار اس طرح ہیں:

ہم اس مقام انا پر ہیں کہ جہاں سے ہمیں
اب آفتاب بھی ذرہ دکھائی دیتا ہے

اگر تیرے ستم کی ابتدا کچھ اور کہتی ہے
تو میرے صبرِ غم کی انتہا کچھ اور کہتی ہے

شمس رمزی کی شعری فکر میں جہاں انا سے برابری عبارت ہے وہیں اپنی برتری کا وہ احساسِ افتخار بھی ہے جسے اشرفیت کی شان کہا جاتا ہے اور ان دونوں جذبوں کی آمیزش قلندرانہ اقدار کی ترجمانی کی اساس بن جاتی ہے۔ وہ کسی بھی حال اور کسی بھی معاملے میں خود کو عاجز ومجبور نہیں ہونے دیتے تھے۔ شاید زندگی کے شدید المیوں نے اس فنکار کے نرم ونازک اور نفیس دل کے کسی نہ کسی حصے کو سخت اور کھردرا بنادیا تھا۔ اسی لیے وہ شعری فکر کی ایسی منزل میں پہنچ گئے تھے کہ جہاں اُنھیں اپنے الفاظ کی ادائیگی میں خدا کے بولنے کا گمان گزرنے لگا تھا۔ حالانکہ یہ سچ ہے کہ ہر ذی روح میں جو جان ہے وہ وہی طاقت ہے، لیکن دوسرے عناصر کی شمولیت کے باعث ذات واحد کثرت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ شمس تبریز، منصور، سرمد اور علاؤ الدین صابر نے یہی عملی کرشمے دکھائے ہیں جن کی شہادت شمس رمزی کا مصرعہ اولیٰ دے رہا ہے مگر مصرعہ ثانی میں کسی کا بھی لفظوں کی صداقت سے گریز نہ کرپانا ایک طرف انا کی فکر کا غماز ہے تو دوسری جانب شاعر کے حق شناہٗ ہونے کا ترجمان اور اس کی قلندرانہ بازگشت کا فرمان بھی ہے۔ شعر یہ ہے:

تیرے لہجے میں خدا بول رہا تھا بے شک
کون کرتا ترے لفظوں کی صداقت سے گریز

شمس رمزی نے بے نیازانہ اقدار کو بروئے کار لاکر صداقت کا حق ادا کرنے کے لیے اپنے اشعار میں آشوب زمانہ کی تصویر کشی بھی کی ہے۔ ان کے یہاں ایسے اشعار خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں جن میں غربت وافلاس کا کرب، بے روزگاری کے تھپیڑے اور نامساعد حالات کی تمازت سے مسخ ہوئے چہروں کی تصویریں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں تک کہ خودی کو بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ عصری معاشرے کی ترجمانی تو ان اشعار سے ضرور ہورہی ہے مگر مایوس کن فکر شاعر کا نظریہ حیات ہی بدل دیتی ہے جو اس کی فکری بقا اور اس کے شخصی مرتبے اور علمی وشعری مقام کے لیے قابل افسوس ہے۔ کیوں کہ شمس رمزی تمام عمر اسی نوع کے آلام ومصائب سے دوچار رہے، لیکن حرماں نصیبی کی جڑوں کو کبھی اپنے احساس وادراک کی زمین میں پیر پسارنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ انسانی حیثیت اور اہمیت سے خبردار بھی تھے اور ہوشیار بھی اور مشکل مسائل کو حکیمانہ انداز سے حل کرلینے والے علم بردار بھی۔ اشعار اس طرح ہیں:

تا بندگی ہے رُخ پہ نہ آنکھوں میں تجلّی
اب زیست میں کیا مرثیہ خوانی کے سوا ہے

نہ جانے فکر کون سی یہ نسل نو کو لگ گئی
لبوں سے چھن گئی ہنسی شرارتیں بھی کھو گئیں

کتنا شرمندہ کرے گی آج پھر بچوں کی بھوک
اشک لے کر آج بھی لوٹا ہوں میں بازار سے

شکم کی آگ بجھانا بہت ضروری تھی
نہ چاہ کر بھی ہوئی ہے خودی شکستہ پا

کشمکش زندگی میں بھی شمس رمزی کو منزلِ حق شناہٗ کی قلندرانہ آن بان کا راستہ نظر آجاتا ہے جو عاجزی وانکساری کی انتہا کی طرف جاتا ہے اور یہاں ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ اور اعتدال کی جھلک اور اس توازن کا راز دونوں ان کے شعری پیکر میں اس طرح صفحۂ قرطاس کی زینت بنتے

ہیں کہ دنیا کے لیے عبرت کا آئینہ ہو جاتے ہیں۔

اک امیر وقت تھا درہم کی آوازوں میں گم
اک فقیر وقت تھا حق شانہٗ کرتا رہا

شمس رمزی کو اس نوع کے عرفان و آگہی سے لبریز اشعار کی آمد سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جس کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتے رہے وہ تو ان کے اندر بسا ہوا ہے۔ لہٰذا اس باخبری سے ان کی شاعر کی عشق کو دیکھنے اور پرکھنے کی نظر کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے۔ اور اب ان کا سفر درک کے پیمانے سے اپنی منزل طے کرتا ہے۔ اسی لیے انھوں نے کہا ہے:

علم کے شہر سے ادراک کے در سے گزرے
ہم تری چاہ میں ہر راہ گزر سے گزرے

منزلِ حق شانہٗ کی یہ وہ قلندرانہ راہ گزر ہے جہاں سے گزر کر شمس رمزی حقیقی عشق کی وادی میں پہنچ گئے تھے۔ اس وادی میں پہنچ کر انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ دنیا میں جس طرز اور جن اشیا اور جن کیفیات کی شہادتیں مل جاتی ہیں وہ حقیقی وجود کا درجہ رکھتی ہیں جب کہ مجازی انواع و اقسام میں انسان کے فیصلوں اور اختیارات کا دخل پایا جاتا ہے۔ تبھی تو شمس رمزی نے کہا تھا:

جہاں خیال کے دریا بھی سوکھ جاتے ہیں
ہم اہل فکر وہاں تشنگی بجھاتے ہیں

بسی ہوئی ہے یہ کیسی خوشبو مجھ میں
شاید آ کر بیٹھ گیا ہے تو مجھ میں

سیر چمن کو گھر سے اگر تو نکل پڑے
تیرا طواف کرنے کو خوشبو نکل پڑے

بے تکلف وہ کسی اور سے ہوتا ہی نہیں
جب مخاطب مجھے کرتا ہے تو تو کہتا ہے

چمک آنکھوں کی بڑھتی جا رہی ہے
ترے چہرے کو جتنا پڑھ رہا ہوں

شعر گوئی اور فنی ہنروری کی اس منزل میں شاعر کی آنکھوں کی چمک اور شعورِ بلاغت میں مسلسل اضافہ ہونے لگا تھا۔ اب اس کی انا پسندی کا تصور بدل گیا تھا۔ اب اُسے الفاظ کی حرمت سے وضو کرنے کا سلیقہ آ گیا تھا۔ اب شمس رمزی اصل میں شمس کی توانائی اپنے قالب میں محسوس کر رہے تھے۔ اُنھیں کتابوں جیسے چہروں کو پڑھنا آ گیا تھا۔ اب خواب و خیال کی منزل گزر گئی تھی۔ اب انسان کی عظمت کا اُنھیں عرفان ہو چکا تھا۔ اب وہ شہر جاں تک پہنچ چکے تھے۔ یہاں محبوب کی رعنائیاں بھی تھیں اور قدرت کی کارفرمائیاں بھی۔ یہ علم و آگہی کی وہ منزل تھی جس کی حفاظت بشر کو حیات دوام کی جانب لے جاتی ہے، مثلاً اس منزل میں شمس رمزی نے اس نوع کے اشعار تخلیق کیے:

حرمت الفاظ سے پیہم وضو کرتا رہا
میں کتابوں سے ہمیشہ گفتگو کرتا رہا

فرشتو! آؤ مری درس گاہ میں بیٹھو
بیان رتبۂ انسان کرنا چاہتا ہوں

تجھے پتا بھی ہے آنکھوں میں جھانکنے والے
فصیل جسم میں اک شہر جاں بھی آئے گا

زندگی کی تقریباً اٹھاون بہاروں کی جدوجہد اور چالیس برسوں کے شعری ہنرمندی کے سفر کے نتیجے میں شمس رمزی کو وہ منزل وہ مقام وہ مرتبہ وہ حق شناسی وہ بے باکی کا گرمل گیا تھا کہ اب وہ کوزے میں سمندر سمونے کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور کوزے سے سمندر نکال لینے کی صلاحیتوں کے جوہر دکھا رہے تھے کہ رب ذوالجلال نے انھیں ۱۷ر فروری ۲۰۱۸ء کو اپنے پاس بلا لیا اور اس طرح حق شانہٗ کا نعرہ بلند کرنے والا شعر کے اسلوب میں یکتا ہونے کا لوہا منوا لینے والا شاعر شمس رمزی ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ شمس رمزی کی رحلت سے جہاں اردو شاعری کی محفلیں سونی ہوئیں وہاں ان کے پسماندگان کے علاوہ مجھ جیسے اور مجھ سے کہیں زیادہ علم رکھنے والے ان کے سیکڑوں شاگردان یتیمی کے کرب سے دوچار ہیں۔ اللہ رب الکریم شمس رمزی کو کروٹ کروٹ سکون اور بہشتِ اعلیٰ میں درجاتِ بالا عطا فرمائے اور جملہ متعلقین و محبین کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ شمس رمزی کی عزت و عظمت میں میں لگاتار اضافہ فرمائے۔ آمین!

سمندر میں ملا دیتا ہے وسعت بخش دیتا ہے
وہ اک ناچیز قطرے کو بھی عزت بخش دیتا ہے

روز و شب کرتا ہوں لفظوں کا طواف
شعر کے اسلوب میں یکتا ہوں میں

○○